© rasailojaraid.com

تبصرہ کتب

# بوسنیا میں امریکی و مغربی پالیسی: مضمرات ونتائج*

تبصرہ نگار: آدم گار فنکل

ترجمہ: ڈاکٹر صدیق شبلی

---

ا۔ متامل سپر پاور: امریکہ کی بوسنیا پالیسی ۱۹۹۱ء-۱۹۹۵ء

*The Reluctant Super Power: United States' Policy in Bosnin, 1991 - 1995* By Wayne Bert, (London and New York: Macmillian, St- Martins, 1997. 296 pp.)

۲۔ تفاخر معصومیت: بوسنیا جنگ میں مغرب کے ضمیر کا اتلاف

*The Conceit of Innocence: Losing the Conscience of the West in the War against Bosnia.* Ed. Stjepan G. Mastrovic. (College Station: Taxas A & M University Press, 1997. 272 pp)

---

پہلی کتاب کے مصنف وین برٹ کے مطابق بلقان کی حالیہ آویزشوں کی ابتداء سیدھی سادی سی ہے یعنی سربوں کی سخت گیری اور توسیع پسندی۔ اس کا یہ خیال بھی ہے کہ امریکہ کو اس معاملے میں بہت پہلے مداخلت کرنا چاہیے تھی تاکہ جنگ وجدل کا آغاز ہی نہ ہوتا۔ برٹ کا عمومی مشورہ یہ ہے کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ کو چاہیے کہ وہ دوسرے ممالک میں فوجی مداخلت سے باز نہ آئے۔ برٹ نے بلقان کی آویزش کی ابتداء اور امریکہ کی بوسنیا پالیسی پر جو رائے دی ہے اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس نے امریکی خارجہ پالیسی پر جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

میسٹروو چ نے اپنی کتاب کی بنیاد ڈیوڈ ریزمین کی اس رائے پر رکھی ہے جس کا اظہار اس نے امریکی ثقافت سے متعلق کیا ہے۔ اس رائے کی روشنی میں اہل قلم کی ایک جماعت امریکہ پر نسل کشی کا

---

* Adam Garfinkle, "Another Bosnian Mess," *Orbis*, Fall 1998, pp.640 - 652



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الزام عائد کرتی ہے جو سرد جنگ کے بعد دنیا میں اخلاقی اقدار کا علمبردار بنا پھرتا ہے۔ ریزمین کا یہ خیال دلچسپ ہے تاہم یہ امریکہ کی بوسنیا پالیسی کی وضاحت کرنے سے قاصر ہے۔ کتاب کے ۲۵۱ صفحات کے بیانیہ حصوں میں کم از کم ۵۸ صفحات پر نسل کشی کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے لیکن بلقان کی حالیہ جنگیں نسل کشی کے لیے نہیں تھیں۔

دونوں کتابوں کو تصانیف کہنا درست نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس موضوع پر شائع شدہ مواد کی اکثریت برٹ یا میسٹر ووچ کی ہم خیال ہے لیکن میں ان سے اختلاف رائے رکھتا ہوں۔ اس اختلاف کے اظہار سے قبل یہ ضروری ہے کہ بلقان کی جنگوں کا مختصر سا تاریخی جائزہ پیش کر دیا جائے جس سے میرا مقصد اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

مارک ڈینر نے ''رسالہ نیویارک ریویو آف بکس'' میں اپنے سلسلہ وار مقالے میں حالیہ بلقان آویزش سے متعلق بیس کتابوں کی نشان دہی کی ہے جن میں دونوں زیر تبصرہ کتابیں بھی شامل ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابوں میں اسی رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ نسل کشی کا مقابلہ کرنے میں مغرب نے کم ہمتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان تمام کتابوں میں کسی نہ کسی حد تک سبھی نے امریکہ کی پالیسی کو اصلاحی اور روشن خیال گردانا ہے۔ سرد جنگ کے بعد کے حوالے سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی عظیم ترین قوت کی حیثیت سے امریکہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوموں کے مابین اخلاقی روابط کا ایک معیار رائج کرے۔ خواہ اس کے مفادات براہ راست متاثر ہوں یا نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس معاشرتی بہبود کے مقاصد اس وقت سلامتی کے ترجیحی مقاصد میں تبدیل ہو جاتے ہیں جب ہم دوسروں کے لیے تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے بلقان آویزش پر ایسی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی جس میں ان خیالات کا اظہار نہ کیا گیا ہو۔ گویا کسی کتاب میں حالات کا حقیقی جائزہ لینے کی کوئی کاوش نظر نہیں آتی۔ اگرچہ یہ حقائق پڑھے لکھے حلقوں میں موجود ہیں۔ اس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ سیاسی موضوعات پر تصانیف کسی خاص مقصد کے تحت لکھی جاتی ہیں اسی لیے بلقان کی جنگوں کے تاریخی جائزہ میں صرف روشن خیال افراد کو ہی شامل کیا گیا ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تصور کے لحاظ سے برٹ اور میسٹر ووچ کی کتابیں بعد المشرقین کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ اولا الذکر نے روایتی تحلیلی نقطہ اظہار سے کام لیا ہے اور وہ دائیں بازو کی نمائندہ نظر آتی ہے، جب کہ ثانی الذکر نے تجزیاتی اور اخلاقی انداز اختیار کر کے بائیں بازو کی چھاپ لگالی ہے۔

وین برٹ کی ''دی ریلکٹنٹ سپر پاور'' پانچ اجزاء پر مشتمل ہے: ''بین الاقوامی ماحول''، ''یوگوسلاویہ کا ماحول''، ''یوگوسلاویہ کے بارے میں امریکی مفادات اور ادراکات''، ''یوگوسلاویہ اور بوسنیا ہرزیگوینا میں امریکی حکمتِ عملی'' اور ''مداخلت کی نئی خصوصیات''۔ بلقان کی امریکی پالیسی پر یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ تاہم اس سے تشفی نہیں ہوتی۔

> اگر سیاسی دباؤ کے تحت اسلحہ کا استعمال شروع ہو گیا تو امریکی فوجی قوت کا دیوالیہ نکل جائے گا اور برٹ کی رائے کے مطابق جب مسلح مداخلت کی واقعی ضرورت ہوگی تو امریکہ کے لیے یہ اقدام تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ برٹ ہمیں یہ قائل نہیں کر سکا کہ اس نے وہ قفل کھول دیا ہے جو مفاد کو مصارف سے مربوط رکھتا ہے۔ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ مسئلہ بلقان کسی طور پر امریکی مفادات کو متاثر نہیں کرتا۔ اور مزید برآں انسانی ہمدردی کا جذبہ اس وقت سرد پڑ گیا جب یہ تشویش پیدا ہوئی، جو غیر منطقی نہیں تھی، کہ مداخلت کے مصارف بہت زیادہ ہوں گے۔ لیکن اگر یہ بات درست تھی تو برٹ کیوں کہتا ہے کہ امریکہ کو بہر صورت مداخلت کرنا چاہیے تھا؟

ہمیں اس کا معقول جواب نہیں ملتا۔ برٹ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہتا ہے کہ سرد جنگ کے بعد کے حالات میں عام حوصلہ شکنی اور وقار کے بارے میں فکر کو حالات حاضرہ کی فوری ضرورت کے پیش نظر پس پشت ڈال دینا چاہیے۔ اس طرح امریکہ کو بلقان میں اپنے مفادات کے تناسب سے ہی مالی بوجھ برداشت کرنا پڑتا۔ اس طریق کار کو اختیار نہ کر کے امریکہ کی ساکھ کو صدمہ پہنچا جسے محدود قسم کی مداخلت سے بچایا جا سکتا تھا۔ برٹ کے خیال کے مطابق سرد جنگ کے بعد کی تاریک اور منتشر دنیا میں اس وقت خارجہ پالیسی میں لچک کی ضرورت ہے حوصلہ شکنی اور وقار کی نہیں جس کا بھوت سرد جنگ کے دوران دماغوں پر سوار رہتا تھا۔

یہ خیال بہت ہی گنجلک ہے۔ اول تو یہ امر درست نہیں ہے کہ سرد جنگ کے بعد کی دنیا اتنی صاف



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ستھری، پیش گوئی کے قابل اور قابو میں نہیں ہے جتنی کہ سرد جنگ کے زمانہ میں تھی۔ اس خیال سے کوئی بھی امریکی دانش ور اور سیاست دان کبھی بھی متفق نہ تھا۔ برٹ نے ایسے افراد کی نشان دہی مناسب نہیں سمجھی۔ اس دور کی خام خیالیوں اور غلط کاریوں سے تاریخی دستاویزات بھری پڑی ہیں۔ مداخلت کے لیے صرف مفاد ہی معیار بنا ہوا تھا۔ اور بقدر ضرورت مصارف کی پرواہ کیے بغیر امریکہ کے لیے مداخلت کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اگر بات یہ تھی تو امریکہ نے ۱۹۵۶ء میں ہنگری میں اور ۱۹۶۸ء میں چیکوسلاویکیا میں مداخلت کیوں نہیں کی ۵۳-۱۹۵۲ء میں اس نے کوریا میں صلح کے لیے ہاتھ پاؤں کیوں مارے؟ اس نے ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء میں کاسترو کے عزائم ظاہر ہو گئے تو کیوبا پر حملہ کیوں نہیں کیا؟

> کلنٹن انتظامیہ اپنی پالیسی کی بدولت بوسنیا کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی بلکہ سربوں کو یورپی منصوبے کو رد کرنے کا موقع فراہم کر کے قیام امن کے منصوبے کو نقصان ہی پہنچایا۔

برٹ نے آگے چل کر لکھا ہے کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد محدود مقاصد کے لیے جنگ زیادہ ممکن العمل ہو چکی ہے۔ اس کی یہ رائے نہ صرف متنازعہ ہے بلکہ پسماندگی کی طرف مائل بھی ہے۔ امریکہ اور روس کی سیاسی رقابت اور اسلحہ میں مقابلے کے خاتمے سے محدود جنگ کے مقاصد کا اظہار ہوتا ہے۔ سرد جنگ کے دوران خطرناک اسلحہ کی کمان روس اور امریکہ دونوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اس لیے محدود مقصد کی جنگ ہی مناسب اور موزوں نظر آتی تھی۔ فی زمانہ امریکہ ہی اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کی قسم کھا سکتا ہے۔ آج اگر کوئی امریکی صدر بغداد، بلغراد یا بنکاک پر حملے کا حکم دیتا ہے تو اسے بہت ہی کم خطرہ مول لینا ہوگا۔

برٹ کی اس دلیل میں اس کا ایک نکتہ نظر انداز ہو جاتا ہے۔ وہ سربیا میں بہ رضا و رغبت ذلت اٹھانے کا اور سرد جنگ کے دور میں روس کے ہاتھوں اس قسم کے سلوک کو برداشت نہ کرنے کا موازنہ کرتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ''جس ماحول میں خارجہ پالیسی مرتب کی گئی تھی وہ تبدیل ہو چکا ہے''۔ لیکن ماحول کی تبدیلی سربوں کے ضمن میں امریکی قوت برداشت کا جواز نہیں بن سکتی۔ کیوں کہ اس زمانے میں علاقائی مناقشات کے حوالے سے پالیسیوں میں غلطیوں کے مواقع بہت ہی کم ہو گئے ہیں۔ اس لحاظ سے اب دنیا زیادہ صاف ستھری، قابل پیش گوئی اور قابو میں نظر آتی ہے۔ سربوں کی خودسری کا جواز کلنٹن



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتظامیہ کی خارجہ پالیسی، اس کی افتادطبع کی ترجیحات میں نظر آتا ہے۔ چونکہ واشنگٹن اور بلغراد کے درمیان عالمی سرداری کی چپقلش طوالت اختیار نہیں کرسکتی اس لیے سربیا میں تذلیل کسی طاقت ورقابت کا رنگ ڈھنگ اختیار نہیں کرسکتی۔ اس لیے اب اس کی اہمیت باقی نہیں رہی۔ اس طرح امریکی پالیسی برٹ کے نظریہ کے تابع ہوگئی ہے کہ وقار بڑی آسانی سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جاسکتا ہے۔ ایسا سرد جنگ کے دوران ممکن نہیں تھا۔ لیکن اس سے فیصلہ کرنے والوں کی ذمہ داری ختم ہوئی کہ انہیں کہاں، کب اور کس طرح اس وقار کو تقسیم کرنا ہے اور مصارف اور مفاد کی شرط پر امریکی مداخلت کی ناکامی ہمارے سامنے آجاتی ہے جس سے ایک وسیع تر مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔

۱۹۹۰ء میں امریکیوں نے جو خواب دیکھا تھا وہ دھندلا گیا ہے۔ امریکی رائے عامہ یہ پوچھتی ہے کہ امریکہ جنگ سے تباہ شدہ بوسنیا پر اتنی رقم کیوں صرف کرتا ہے جب کہ خود امریکہ کے اجڑے ہوئے شہروں میں مرمت کے لیے سرمایہ درکار ہے۔

تاریکی میں گھر جانے کا مطلب یہ ہوا کہ موگادیشو سے لے کر بنجالوکا جیسے چھوٹے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا سلسلہ کبھی خاتمہ نہیں ہوگا۔ حالانکہ بڑے ملکوں کو اس قسم کے اقدام سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ ضرور ہے کہ بوسنیا میں سربوں کے متشددانہ رویوں میں کچھ کمی لانے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن دیگر مسائل پر قابو نہیں پایا جاسکا ہے۔ خدا اس دن سے محفوظ رکھے جب امریکہ غیر واضح سمجھ بوجھ کے سبب بلقان جیسے کسی پرپیچ مسئلے میں مقامی اور مضبوط دشمن کو استعمال میں لائے۔ اگر بے ترتیبی کی شکار امریکی خارجہ پالیسی کے سبب اسلحہ کا استعمال سیاسی دباؤ کے تحت شروع ہوگیا تو امریکی فوجی قوت کا دیوالیہ نکل جائے گا اور بوسنیا کے بارے میں عوامی رائے عامہ کے ضمن میں برٹ کی رائے کے مطابق ایسے اقدامات اتنے غیر مقبول ہوجائیں گے کہ جب مسلح مداخلت کی واقعی ضرورت ہوگی تو امریکہ کے لیے یہ اقدام تقریباً ناممکن ہوجائے گا۔

''ریلکٹنٹ سپر پاور'' کی ایک اور خامی یہ ہے کہ اس میں داخلی اور بیرونی دونوں محاذوں پر اصل سیاست کا نشان کہیں نظر نہیں آتا۔ جارج بش کو ۱۹۹۲ء کے انتخابات میں شکست سے اسی لیے دوچار ہونا پڑا کہ ملک کو ایسے صدر کی ضرورت تھی جس کی توجہ داخلی امور پر مرکوز ہو۔ بل کلنٹن پر بھی یہی بات صادق آتی



© rasailojaraid.com